شذرہ حسین
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی، جامشورو

صدرالدین آزردہؔ کی شاعری کا تجزیاتی مطالعہ

ABSTRACT

Analytical study of the Mufti Sadaruddin Azurdah's Urdu poetry.
By Shazra Hussain, Assistant Professor, Department of Urdu, Sindh University Jamshoro.

During the course of 19th century Mufti, Sadaruddin Azurdah (1789-1868) had been an eminent scholar and a renowned literary figure of undivided India. His contributions towards the glorification of Delhi, the unmatched city of that time, had been multiple. Sir Syed Ahmed Khan ranks him, in his famous book Aasar-ul-Sanadid, as an accomplished theologue. No doubt he was regarded as virtuous, saintly, and reliable in the field of metaphysical branches of knowledge. He played an important role in promotion of Urdu poetry. His literary pursuits earned him a Laurel for his authenticity in Arabic, Persian and Urdu poetry. He was known to be an acquaintance and admirer of Ghalib. His house was a meeting place for scholars, poets, and literary figures. His Urdu poetry is not in multitude but cannot be ignorable because of its impressive style. Though less in quantity, it is rich in quality. It is simple in narration, easy to understand and far from ambiguity. In this article Mufti Sadruddin Azardah's contributions and services towards Urdu language and literature are specifically discussed and analyzed.

مفتی صدرالدین آزردہؔ کا شمار انیسویں صدی کی ان برگزیدہ روزگار علمی شخصیتوں میں ہوتا ہے جن کی شہرت و عظمت کسی خاص حلقے یا خطے تک محدود نہیں۔ ان کا شمار اپنے دور کے صاحبانِ فضل و کمال میں ہوتا ہے۔ فقہ و حدیث، تفسیر و اُصول، صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و اقلیدس، معانی و بیان، ادب و انشا میں نادرۂ عصر تھے۔ مفتی صدرالدین بن شیخ لطف اللہ کشمیری ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔[۱] تاریخِ ولادت لفظ "چراغ" سے نکلتی ہے۔[۲] ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ علوم نقلیہ کی تحصیل شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ محمد اسحاق سے کی۔ علومِ عقلیہ مولانا فضل امام خیرآبادی سے حاصل کیے۔ ملک پر انگریزوں کے تسلط سے پہلے وہ دہلی اور آس پاس کے علاقوں میں مفتی تھے۔ ان کی علمی فضیلت اور افتاء میں شہرت کے باعث ۱۸۲۷ء میں دہلی کے صدر الصدور مقرر ہوئے۔[۳] یہ عہدہ اہلِ ہند کے لیے اس زمانے میں اعلیٰ

ترین عہدہ سمجھا جاتا تھا۔مفتی صاحب اپنے دور میں فضل وکمال اورفنون ادبیہ میں بے نظیر تھے اور جامعیت کے اعتبار سے اپنا جواب آپ تھے۔ بقول سرسیّد احمد خان:

''ایسا فاضل اور ایسا کامل کہ جامع فنون شتیٰ اور متجمع علوم بے منتہا ہو۔اب سوا اس گروہ علماے روزگار کے بساط عالم پر جلوہ گرنہیں۔''(۴)

معقولات اورمنقولات میں اعلیٰ درجے کی دست گاہ رکھتے تھے۔عربی ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے،حماسہ کے سیکڑوں اشعارنوک زبان تھے۔متنبی کا درس دہلی میں سب سے پہلے انھوں نے دیا۔(۵)علمی و ادبی ذوق کے علاوہ آپ کوجس کام سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی وہ درس وتدریس کا مشغلہ تھا۔فرائض منصبی کی ادائیگی کے بعداعلیٰ درجے کےطلبہ کواپنے گھر پر پڑھاتے تھے۔آپ نے مدرسہ دارالبقا کوازسرِنوتعمیر کرایا اوراس میں تعلیم وتعلّم کا دوبارہ نظم ونسق قائم کیا۔اس مدرسے میں طلبہ کے جملہ اخراجات کے علاوہ مدرّسین کی تقرری اور ان تنخواہ کی ذمہ داری بھی مفتی صدرالدین آزردہ نے اپنے سر لے رکھی تھی۔(۶) یہ مدرسہ تعلیم وتدریس اورحسنِ انتظام کےلحاظ سے پورے ہندوستان میں ممتاز تھا۔مفتی صاحب کے شاگردوں کا حلقہ وسیع تھا۔نواب صدیق حسن خاں، نواب یوسف علی خاں،مولانا خیرالدین خیوری (ابوالکلام آزاد کے والد) اور مولانا فیض الحسن سہارن پوری جیسے مشاہیرکوان کا شرف تلمذ حاصل رہا، لالہ سری رام لکھتے ہیں:

''ان کے شاگردوں میں کئی شاگرد صاحبِ کمال اور نام ور گزرے ہیں۔آپ کے انتقال سے برسوں پہلے یہ بات زبان زدِخاص و عام تھی کہ جس نے آپ سے فیض پایا اورموردِعنایت رہا وہ ضروراعلیٰ مدارج پر پہنچا۔''(۷)

آزردہ دلی کالج کے انتظام کے لیے قائم کردہ مقامی مجلس ،جو لوکل کمیٹی کہلاتی تھی، کے ۱۸۴۲ء میں رکن مقرر ہوئے۔دلی کالج کےعربی فارسی کے امتحانات بھی لیا کرتے تھے اس کے علاوہ طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے انعامات و تمغے بھی دیا کرتے تھے۔(۸)

انیسویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے زوال کی رفتار تیز ہو چکی تھی۔بقول حالی"اس دورِزوال میں دہلی میں ایسے چند اہلِ کمال موجود تھے جن کی صحبتیں اور جلسے عہدِ اکبری وشاہجہانی کی صحبتوں اور جلسوں کی یاد دلاتی تھیں۔"(۹) اس دور میں مفتی صدرالدین آزردہ کا دیوان خانہ اہلِ کمال کی مجلسوں کا ایک اہم مرکز تھا۔بقول ابوالکلام آزاد

''اٹھارھویں صدی میں پیرس اورلندن کےعلم دوست اُمرا کے سیلون اور ڈرائنگ رومز کے جو حالات ہم پڑھتے ہیں بعینہ یہی حال دہلی کے دیوان خانوں کی مجلسوں کا بھی تھا۔اگرکوئی نو وارد دہلی آتا اور چاہتا کہ کہ دہلی کے سارے اہلِ فضل و کمال بیک وقت و بیک مجلس دیکھ لے تو وہ سیدھا مفتی صاحب کے دیوان خانے کا رخ

کرتا۔"(۱۰)

دلی میں شعر و ادب کے ذوق کو پروان چڑھانے میں بھی آزردہ نے اپنا کردار ادا کیا۔ آزردہ اور شیفتہ کے ہاں ہر ہفتے باری سے مشاعرہ ہوتا تھا۔ اہلِ کمال اس میں جمع ہو کر لطفِ سخن اٹھاتے تھے۔(۱۱) فقیر محمد جہلمی، جو آزردہ کے شاگرد بھی تھے، ''حدائق الحنفیہ'' میں لکھتے ہیں:

"بجز شاہِ دہلی کے تمام اعیان و اکابر اور علما و فضلا، خاص دہلی اور اس کے نواح کے، آپ کے مکان پر حاضر ہوتے تھے۔ طلبہ تو واسطے تحصیل علم اور اہلِ دنیا واسطے مشورتِ معاملات اور منشی لوگ بغرضِ اصلاحِ انشا اور شعرا واسطے مشاعرہ کے آتے تھے۔ اس اخیر وقت میں ایسا فاضل باین جمعیت اور قوتِ حافظہ و حسنِ تحریر و متانتِ تقریر اور فصاحتِ بیان اور بلاغت معانی کے صاحب مروت و اخلاق اور احسان دیکھا نہیں گیا۔"(۱۲)

درس و تدریس اور فتویٰ نویسی کی وجہ سے انھیں تصنیف و تالیف کا موقع کم ملا۔ آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ منتھی المقال فی شرح حدیث لاتشد الرحال
۲۔ الدر المنضود فی حکم امراۃ المفقود
۳۔ فتاویٰ(۱۳)
۴۔ تذکرۂ آزردہ۔

آزردہ نے ۱۰۶ اردو شعرا کا تذکرہ ۱۲۲۹ھ اور ۱۲۳۳ھ کے درمیانی زمانے میں مرتب کیا۔(۱۴) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے "گلشن بے خار" میں اور لالہ سری رام نے "خم خانۂ جاوید" (جلد اول) میں اس کا ذکر کیا ہے۔(۱۵) ڈاکٹر مختار الدین احمد نے اس تذکرے کو مرتب کیا جو انجمن ترقی اردو، پاکستان سے شائع ہوا۔ یہ ناقص الآخر ہے اور ردیف "ن" پر ختم ہوا ہے۔ آزردہ نے اپنے تذکرے میں مصحفی کے "تذکرۂ ہندی" قاسم کے "مجموعۂ نغز"، سرور کے "عمدۂ منتخبہ" اور خوب چند ذکا کے تذکرے "عیارالشعرا" سے استفادہ کیا ہے، بیشتر مقامات پر ترتیب واقعات اور الفاظ و تراکیب بھی یکساں ہیں۔(۱۶) ڈاکٹر مختار الدین احمد اس تذکرے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تذکرے سے کسی خاص تنقیدی شعور کا بھی پتا نہیں چلتا۔ بیشتر شعرا کے لیے مروج ترکیبیں استعمال کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے نہ خود مصنف کا کوئی معیار تنقید قائم ہوتا ہے نہ شاعر کے کلام ہی کی کسی خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے۔''(۱۷)

آزردہ شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے، اردو، عربی، فارسی تینوں زبانوں کے شاعر تھے۔ ہر ایک زبان میں

نہایت فصاحت و بلاغت سے دادِ سخن دی۔اس دور کے اساتذہ میں سے شاہ نصیر اور میاں مجرم اکبرآبادی کو اپنا کلام دکھایا۔ نظام الدین ممنونؔ سے بھی مشورہ سخن کیا۔[۱۸] آزردہؔ ان چند اشخاص میں سے تھے جنھوں نے اعلیٰ درجے کی جامع قابلیت و فضیلت کے باوجود ملک سخن میں بھی اپنی اعلیٰ استعداد کا سکّہ بٹھایا ان کا شمار اپنے عہد کے مشاہیر شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کے معاصرین میں سے متعدد اصحاب ان سے مستفید بلکہ متاثر ہوئے۔ذوقؔ، مومنؔ، غالبؔ، صہبائیؔ، شیفتہؔ، نیرؔ، رخشاںؔ سے دلی اتحاد تھا۔آزردہؔ سادہ روش کو پسند کرتے تھے۔ ڈاکٹر مختارالدین احمد لکھتے ہیں:

''ان کے معاصرین میں احسانؔ اور نصیرؔ کے ہاں الّا ماشآء اللہ کلیۃً زبان و بیان پر توجہ تھی جو اس زمانے کا عام انداز تھا۔ممنونؔ نے اسلوبِ سخن بدلا اور نئی راہ نکالی لیکن اسی عہد میں اور ممنونؔ ہی کے شاگرد آزردہؔ کے کلام میں ہمیں پہلی مرتبہ بھر پور داخلیت کے آثار ملتے ہیں۔ ان کے یہاں زبان سے گزر کر دل کی بات کہنے کی کوشش پائی جاتی ہے۔''[۱۹]

آزردہؔ کا اردو کلام بہت کم ہے،مگر بقول ابوالکلام آزادؔ جتنا ہے انتخاب ہے اور پایہ بلند کے شایاں ہے۔[۲۰]

مولوی کریم الدین ''تذکرہ شعراے اردو'' میں لکھتے ہیں:

''اس زمانے کے شعراے اردو گویوں میں وہ مثل شہنشاہ کے ہیں۔''[۲۱]

آزردہؔ کے پایۂ سخن سنجی کے سبھی معترف تھے۔ان کی سادہ گوئی نے اپنے دور کو بھی متاثر کیا۔غالبؔ کو''طرزِ بیدل'' سے''طرزِ ریختہ'' کی طرف لانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ غالبؔ نے آزردہؔ کو''دوست غم گسار، یار وفا شعار، علامہ روزگار، ختم العلما المتجرین'' جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے۔[۲۲] غالبؔ آزردہؔ کو بڑی قدرومنزلت سے دیکھتے تھے۔جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا آزردہؔ عام فہم اشعار کو پسند کرتے تھے، غالبؔ کا کلام ادق تھا عام فہم نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ اس کو سن کر الجھتے تھے اور ان کے اس طریقے پر ہمیشہ اعتراض کرتے تھے[۲۳] لیکن دونوں میں رشتہ الفت بھی بہت مضبوط تھا۔ غالب پر جب قرض خواہوں نے ان کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا تو غالبؔ نے یہ شعر بطور جواب دعویٰ پڑھا:

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

آزردہؔ نے یہ شعر سن کر ان کا قرض ادا کر دیا۔[۲۴] اسی طرح جب شیفتہؔ کے تذکرے میں آزردہؔ کا نام شامل ہونے سے رہ گیا تو غالبؔ نے شیفتہؔ کو اس طرف توجہ دلائی اور ان کا نام شامل کرایا۔[۲۵] غالبؔ کے ابتدائی رنگِ شاعری کو تبدیل کرنے میں بھی آزردہؔ کا کردار نہایت اہم ہے۔ یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

''غالب بہت ذہین انسان تھا اس لیے ہمیشہ اپنے فنی نقائص اور عیوب کی اصلاح

کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ہمیشہ مولانا فضل حق خیرآبادی مرحوم اور مفتی صدرالدین آزردہؔ مرحوم کے مشوروں پر عمل کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ان کے کلام میں وہ خوبیاں پیدا ہوگئیں جن کی بدولت وہ غالب بن گئے۔''(۲۶)

انیسویں صدی میں دہلی میں صحیح مذاقِ سخن کے فروغ میں بھی آزردہؔ کی مساعی گراں قدر ہیں۔ بقولِ کلب علی خاں فائقؔ رام پوری:

''آزردہؔ نے غالبؔ کو طرزِ بیدلؔ سے ہٹا کر اردو شاعری پر بڑا احسان کیا۔ اس لیے کہ جدید اردو شاعری کی تحریک ممنونؔ نے چلائی تھی اور آزردہؔ نے اس کی حمایت میں پوری مساعی حسنہ سے کام لے کر ایک نیا جوڑ اردو شاعری میں پیدا کیا۔''(۲۷)

مفتی صدرالدین آزردہؔ کا اردو کلام یک جا نہیں ملتا۔ اردو شعرا کے تذکروں، جیسے گلشنِ بے خار، خم خانۂ جاوید (جلد اول) سخنِ شعرا، گلستانِ سخن، جلوۂ خضر (جلد اول)، طبقات شعرائے اردو، ارمغان گوکل پرشاد، اس دور کی چند تصانیف جیسے آثار الصنادید، وقائع عبدالقادر خانی، فغان دہلی، میں ان کے اردو کلام کا انتخاب دیا گیا ہے۔ آزردہؔ کے دستیاب کلام کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کا نمایاں وصف عام فہم و سادہ طرزِ ادا ہے۔ دوراز کار تشبیہات و استعارات، پیچیدہ تراکیب اور بے جا مبالغہ آرائی سے ان کا کلام پاک ہے۔ انھوں نے دلی جذبات و احساسات کو سادگی و روانی سے بیان کیا ہے۔ وہ خود کہتے ہیں:

ریختہ یہ ہے کہ جوں آیت محکم ہے صاف
معنی بھی دور نہیں، لفظ بھی مہجور نہیں(۲۸)

ان کی یہی خصوصیت معاصرین میں ان کا امتیازی درجہ رکھتی ہے۔(۲۹) اس خصوصیت نے ان کے اشعار میں سہل ممتنع کی خوبی پیدا کی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ذکرِ وفا وہ سنتے ہی مجلس سے اُٹھ گئے — کچھ گفتگو ہی ٹھیک نہ تھی ایسے باب میں(۳۰)
بالیں پہ کھڑا روتا ہے راتوں کو مسیحا — کچھ آن بنی ہے ترے بیمار پر ایسی(۳۱)
وہ آئے دم نزع کیا کہہ سکیں — نہیں ہونٹ تک بھی ہلانے کے قابل(۳۲)

ڈاکٹر مختارالدین آزردہؔ کی اردو شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"صاف اور سلیس زبان میں اظہارِ خیالات ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ تعقید اور ثقالت ان کے ہاں برائے نام بھی نہیں۔"(۳۳)

اسی وصف کی وجہ سے ان کے بعض اشعار ضرب المثل کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں — اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں (۳۴)

کامل اس فرقہ زہاد میں اٹھا نہ کوئی — کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے (۳۵)

مختصر حالِ چشم و دل یہ ہے — اس کو آرام، اس کو خواب نہیں

یہ عمر اور عشق، ہے آزردہ جائے شرم — حضرت یہ باتیں پھبتی ہیں عہدِ شباب میں (۳۶)

آزردہ کی شاعری میں جذبہ عشق کی شدت اور والہانہ بے تابی کا اظہار بھی ملتا ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دامن اس کا تو بھلا دور ہے ہاں دستِ جنوں — کیوں ہے بے کار گریباں تو مرا دور نہیں (۳۷)

لب بند ہوں تو روزنِ سینہ کو کیا کروں — تھمتا تو مجھ سے نالہ آتش عناں نہیں (۳۸)

محبوب سے چھیڑ چھاڑ اور گلا شکوہ بھی ہے لیکن ابتذال نہیں سلیقہ اور رکھ رکھاؤ موجود ہے:

ذکر وفا وہ سنتے ہی مجلس سے اُٹھ گئے — کچھ گفتگو ہی ٹھیک نہ تھی ایسے باب میں (۳۹)

باہم سلوک تھا، یہ ترے دورِ حسن میں — یہ رسم اُٹھ گئی کہ بشر سے بشر ملے (۴۰)

طنز و تعریض کا عنصر بھی موجود ہے:

فلک نے بھی سیکھے ہیں تیرے سے طور — کہ اپنے کیے سے پشیماں نہیں (۴۱)

مبتذل میں ہی تو ہوں آپ جو کہیے سچ ہے — رات جھگڑے تو مجھی پر سرِ بازار ہوئے (۴۲)

آزردہ نے اپنے تجربات اور وارداتِ عشق کو خلوص و سچائی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی غزل واردات کی عکاس نظر آتی ہے۔ (۴۳) چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جو کچھ نہ دیکھنا تھا سو وہ دیکھنا پڑا — اس بے وفا سے پہلے تھے کیا دیکھ کر ملے

پروانہ وار ہے حدِ پرواز شعلہ تک — جلنے ہی کے لیے مجھے یہ بال و پر ملے (۴۴)

گو اسیری میں ہوں پر مثل اسیرِ تصویر — نہ غمِ قید نہ پروائے رہائی مجھ کو (۴۵)

اچھا ہوا نکل گئی آہ حزیں کے ساتھ — اک قہر تھی، بلا تھی، قیامت تھی جاں نہیں (۴۶)

آزردہ کی شاعری میں خیال و بیان کی صفائی ور وانی کے علاوہ سوز و گداز بھی موجود ہے۔ وہ طبعاً حساس تھے۔ انھوں نے ایک نظام اور ایک عہد کو مٹتے دیکھا تھا۔ ان کے کلام میں پایا جانے والا سوز و گداز دراصل اس سماجی و تمدنی انقلاب کی نشان دہی کرتا ہے جس سے ان کے زمانے کی زندگی دوچار تھی۔ (۴۷) ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد حالات کی ابتری کے باعث درد و غم کی جو کیفیت پورے معاشرے پر چھا گئی تھی اس کی جھلک آزردہ کے کلام میں موجود ہے:

بلند آشیانوں پہ بجلی گری — جو نیچے تھے ڈوبے وہ سیلاب میں

وہ عریاں ہیں سرما میں تھی جن کی شب — گزرتی سمور اور سنجاب میں (۴۸)

ہوئے ہیں وہ نا قابلوں میں شمار اب   جنھیں مانتے تھے زمانے کے قابل[49]

آزردہ نے ان حالات کا صرف مشاہدہ ہی نہیں کیا بلکہ جنگِ آزادی نے انھیں بھی متاثر کیا تھا۔فتوی جہاد پر دستخط کرنے کی پاداش میں ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء میں ملازمت سے برطرف کر دیے گئے۔تمام جائیداد و املاک بحق سرکار ضبط ہوگئی بلکہ چند ماہ تک قید میں بھی رہے۔تین لاکھ مالیت کا کتب خانہ بھی ضبط ہوگیا۔آپ کے قریبی رشتے دار، دوست احباب بھی متاثر ہوئے۔امام بخش صہبائی کا شمار آزردہ کے مخلص دوستوں میں ہوتا تھا۔انھیں بھی گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔اس صدمۂ جان کاہ پر آزردہ نے کہا تھا:

کیوں کہ آزردہ نکل جائے، نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو[50]

جنگِ آزادی کے بعد آپ کی شاعری بھی طبعیت کی طرح سرد پڑ گئی۔اگر کبھی کچھ کہتے بھی تو شیفتہ یا غالب کے اصرار سے کہتے۔[51]

آزردہ نے نہ صرف غزلوں میں اس انقلاب کو بیان کیا بلکہ ۱۱ بندوں پر مشتمل مسدس شہرآشوب بھی لکھا۔اس شہر آشوب کے پہلے بند میں اس تباہی کا ذمے دار قلعے والوں کی بداعمالیوں کو قرار دیا اور میرٹھی فوج کو قہر خداوندی سمجھا:

آفت اس شہر میں قلعے کی بدولت آئی   واں کے اعمال سے دلی کی بھی شامت آئی
روزِ موعود سے پہلے ہی قیامت آئی   کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی
گوش زد تھا جو فسانوں سے وہ آنکھوں دیکھا   جو سنا کرتے تھے کانوں سے وہ آنکھوں دیکھا[52]

آزردہ نے اس شہرآشوب میں صرف طبقۂ بالا کی عکاسی کی ہے۔میرٹھ سے فوج آنے کے بعد انھیں جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور جس طرح ناز و نعم میں زندگی بسر کرنے والے کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے ان کی بہت پرسوز عکاسی کی ہے، بالخصوص بیگمات کے حالِ زار کو بہت دکھ بھرے لہجے میں بیان کیا ہے:

طبع جو گہنے سے پھولوں کے اذیت پاتی   مہندی ہاتھوں میں لگا سوتے، تو کیا گھبراتی
صبح سے شام تلک نیند نہ ان کو آتی   ایک سلوٹ بھی بچھونے میں اگر پڑ جاتی
ان کو تکیے کے بھی قابل نہ خدا نے رکھا   سنگ پہلو سے اٹھایا تو سرہانے رکھا[53]

بیگمات کے حال زار کے علاوہ محفلوں کے اجڑنے اور اس عہد کے نوجوانوں کا بھی ذکر کیا ہے،"مفتی صاحب کا شاعرانہ کمال ہے کہ چاہے خواتین ہوں کہ نوجوان وہ زندہ کردار بن جاتے ہیں۔"[54]

روز بن ٹھن کے نکلنا وہ جوانوں کا کہاں   بیٹھنا ناز و ادا سے وہ دکانوں کا کہاں
شور ہر کوچہ سے ٹپوں کی وہ تانوں کا کہاں   لطف ساقی کا مزا اور گانوں کا کہاں

وہ مغنّی نہ رہا اور وہ ساقی نہ رہا　　دھوتی بندوں کے سوا کوئی بھی باقی نہ رہا (۵۵)

اس مسدس کے آخری بند میں دوستوں کی جدائی کے غم کو بہت پر اثر انداز میں بیان کیا ہے۔ان کے دو بہت عزیز دوست نواب مصطفیٰ خاں شیفتہؔ اور امام بخش صہبائیؔ ان ہنگاموں میں قتل کر دیے گئے۔مجموعی طور پر اس مسدس میں آزردہؔ نے طبقۂ بالا کی حالت زار، اپنے ذاتی غم اور دوستوں کی جدائی کا دکھ بیان کیا ہے۔

آزردہؔ کا کوئی مرتب دیوان موجود نہ ہونے کے باجود مختلف تذکروں میں ان کے جو اشعار ملتے ہیں وہ ان کا شاعرانہ مرتبہ متعین کرنے کے لیے کافی ہیں۔آزردہؔ کی انفرادیت زبان و بیان کی سادگی و روانی ہے۔بے جا مبالغہ آرائی، عربی و فارسی کے مشکل الفاظ وتراکیب کے بکثرت استعمال سے اجتناب کرتے ہوئے روانی و برجستگی، سادگی سے دلی کیفیات کے اظہار نے ان کی شاعری کو دوآتشہ کیا۔بقول امداد صابری:

> ”آپ کا کلام ہر قسم کے اغراق و تنافر سے پاک ہے عربی زبان پر قادر ہونے کے باوجود اس کا اثر ان کے اشعار میں نہیں پایا جاتا ہے۔شوخیٔ طبع اور سلاستِ زبان ان کے کلام کی جان ہے۔،،(۵۶)

آزردہؔ کا کلام مختصر ہونے کے باوجود یقیناً اردو ادب کی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے۔اب تک ان کا جو کلام ہم تک پہنچا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہم اس سے لطف اندوز ہوں اور ان کی طبعِ وقاد کی داد دیں۔(۵۷) انھوں نے خود بھی کہا تھا:

جوں سراپاے یار آزردہؔ تیرے دیوان کا انتخاب نہیں(۵۸)

حواشی

(۱)　رحمان علی، تذکرہ علماے ہند، مترجم: محمد ایوب قادری (کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۲۰۰۳ء)،ص ۲۲۴

(۲)　عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، مفتی صدرالدین آزردہ (دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۷ء)،ص ۱۳

(۳)　رحمان علی، تذکرہ علماے ہند، محولہ بالا،ص ۲۲۴

(۴)　سرسیّد احمد خان، آثار الصنادید (کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۱۹۶۶ء)،ص ۲۵۳

(۵)　غلام رسول مہر، نقشِ آزاد (لاہور: کتاب منزل، ۱۹۵۸ء)،ص ۳۱۳

(۶)　انتظام اللہ شہابی، غدر کے چند علما (دہلی: نیا کتاب گھر، سن ندارد)،ص ۴۸

(۷)　لالہ سری رام، خم خانۂ جاوید، جلد اول (دہلی: ۱۹۰۸ء)،ص ۵۴

(۸)　مولوی عبدالحق، مرحوم دلی کالج (دلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۸۹ء)،ص ۶۳، ۵۵

(۹)　الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب (کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب ۱۹۹۷ء)،ص ا

(۱۰)　غلام رسول مہر، نقشِ آزاد، محولہ بالا،ص: ۲۱۶-۲۱۷

(۱۱)　حکیم عبدالحیٔ، گل رعنا (اعظم گڑھ: دار المصنّفین، ۱۹۲۱ء)،ص ۲۲۷

(۱۲) فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ (لکھنؤ: مطبع نامی منشی نول کشور، ۱۸۹۱ء)، ص۴۸۱
(۱۳) رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، محولہ بالا، ص۲۲۵
(۱۴) مختارالدین احمد، مقدمہ، مشمولہ تذکرۂ آزردہ، مصنف صدرالدین آزردہ (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۴ء)، ص ۱۳-۱۵
(۱۵) مصطفٰے خان شیفتہ، گلشنِ بے خار، مترجم محمد احسان الحق، (کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۶۲ء)، ص۲۵۱، لالہ سری رام، خم خانۂ جاوید، جلد اول، محولہ بالا، ص: ۵۵
(۱۶) مختارالدین احمد، مقدمہ مشمولہ، تذکرۂ آزردہ، محولہ بالاص ۱۵
(۱۷) ایضاً
(۱۸) عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، صدرالدین آزردہ، محولہ بالا، ص۱۸۵
(۱۹) مختارالدین احمد، مقدمہ، مشمولہ تذکرۂ آزردہ، محولہ بالا، ص۱۱
(۲۰) غلام رسول مہر، نقشِ آزاد، محولہ بالا، ص۳۱۲
(۲۱) کریم الدین و فیلن، طبقات الشعرائے ہند (دہلی: مطبع العلوم مدرسہ، ۱۸۴۷ء)، ص۴۴۶
(۲۲) اسداللہ خاں غالبؔ، عودِ ہندی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۷ء)، ۳۹۲
(۲۳) امداد صابری، دہلی کی یادگار ہستیاں (دہلی: جمال پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۲ء)، ص۲۸۵-۲۸۶
(۲۴) لالہ سری رام، خم خانۂ جاوید، جلد اول، محولہ بالا، ص: ۵۴
(۲۵) اسداللہ خان غالب، پنج آہنگ، مترجم محمد عمر مہاجر (کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۱۹۶۹ء)، ص ۱۳
(۲۶) یوسف سلیم چشتی، مقدمہ مشمولہ شرح دیوانِ غالب (دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۲ء)، ص ۸۵
(۲۷) کلب علی خاں فائق، مومن (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء)، ص۲۱۶
(۲۸) سرسیّد احمد خان، آثار الصنادید، محولہ بالا، ص ۲۶۳
(۲۹) عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، صدرالدین آزردہ، محولہ بالاص ۸۶
(۳۰) سرسیّد احمد خان، آثار الصنادید، محولہ بالا، ص ۲۶۲
(۳۱) لالہ سری رام، خم خانۂ جاوید، جلد اول، محولہ بالا، ص ۶۰
(۳۲) ایضا، ص ۵۶
(۳۳) مختارالدین احمد، مقدمہ، محولہ بالا، ص ۹
(۳۴) سرسیّد احمد خان، آثار الصنادید، محولہ بالا، ص ۲۶۱
(۳۵) لالہ سری رام، خم خانۂ جاوید، جلد اول، محولہ بالا، ص، ۶۰
(۳۶) سرسید احمد خان، آثار الصنادید، محولہ بالا، ص، ۲۶۲
(۳۷) ایضاً، ص: ۲۶۳
(۳۸) ایضاً، ص ۲۶۱
(۳۹) ایضاً، ص ۲۶۴
(۴۰) عبدالغفور نساخ، سخن شعرا (لکھنو: مطبع منشی نول کشور، ۱۸۷۴ء)، ص ۲۳-۲۴
(۴۱) ایضاً، ص ۳۲، لالہ سری رام، خم خانۂ جاوید، جلد اول، محولہ بالا، ص ۵۸-۵۹

(۴۲) لالہ سری رام، خم خانۂ جاوید، جلد اول، محولہ بالا، ص ۶۰
(۴۳) انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ، (لاہور عزیز بک ڈپو، ۱۹۹۸ء)، ص ۲۶۰
(۴۴) لالہ سری رام، خم خانۂ جاوید، جلد اول، محولہ بالا، ص ۵۹
(۴۵) ایضاً
(۴۶) سر سیّد احمد خان، آثار الصنادید، محولہ بالا، ص ۲۶۱
(۴۷) عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، صدرالدین آزردہ، محولہ بالا، ص ۱۸۷
(۴۸) لالہ سری رام، خم خانۂ جاوید، جلد اول، محولہ بالا، ص ۵۹، ۵۷
(۴۹) ایضاً، ص ۵۶
(۵۰) نظامی بدایونی، انقلابِ دہلی (بدایوں: نظامی پریس، ۱۹۳۱ء)، ص ۳
(۵۱) لالہ سری رام، خم خانۂ جاوید، جلد اول، محولہ بالا، ص: ۵۵
(۵۲) نظامی بدایونی، انقلابِ دہلی، محولہ بالا، ص ۱
(۵۳) ایضاً، ص ۲
(۵۴) ڈاکٹر امیر عارفی، شہر آشوب ایک تجزیہ (دہلی: کلکتہ آفسیٹ پریس، ۱۹۹۴ء)، ص ۱۸۲
(۵۵) نظامی بدایونی، انقلابِ دہلی، محولہ بالا، ص ۳
(۵۶) امداد صابری، دہلی کی یادگار ہستیاں، محولہ بالا، ص ۲۹۰
(۵۷) تحسین سروری، غالب اور معاصرینِ غالب، "ریاض الفردوس" میں مشمولہ اردو نامہ، کراچی، شمارہ: ۹، جولائی تا دسمبر، ۱۹۶۲ء)، ص ۱۰
(۵۸) لالہ سری رام، خم خانۂ جاوید، جلد اول، ص ۵۸

مآخذ:

(۱) احمد، مختار الدین، مقدمہ، مشمولہ تذکرۂ آزردہ، مصنف صدرالدین آزردہ، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۴ء
(۲) اصلاحی، عبدالرحمٰن پرواز، مفتی صدرالدین آزردہ، دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۷ء
(۳) انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: عزیز بک ڈپو، ۱۹۹۸ء
(۴) جہلمی، فقیر محمد، حدائق الحنفیہ، لکھنؤ: مطبع نامی منشی نول کشور، ۱۸۹۱ء
(۵) چشتی، یوسف سلیم، مقدمہ، مشمولہ شرح دیوانِ غالب، دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۲ء
(۶) حالؔی، الطاف حسین، یادگارِ غالب، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۱۹۹۷ء
(۷) خان، سید احمد، سر، آثار الصنادید، کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۱۹۶۶ء
(۹) سری رام، لالہ، خم خانۂ جاوید، جلد اول، دہلی: ہمدرد پریس، ۱۹۰۸ء
(۱۰) شہابی، انتظام اللہ، غدر کے چند علما، دہلی: نیا کتاب گھر، سن ندارد
(۱۱) شیفتہ، مصطفٰے خاں، گلشن بے خار، مترجم محمد احسان الحق، کراچی: آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۶۲ء

(۱۲) صابری، امداد، دہلی کی یادگار ہستیاں، دہلی: جمال پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۲ء
(۱۳) عارفی، امیر، ڈاکٹر، شہر آشوب ایک تجزیہ، دہلی: کلکتہ آفسیٹ پریس، ۱۹۹۴ء
(۱۴) عبدالحق، مولوی، مرحوم دلی کالج، دلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۸۹ء
(۱۵) عبدالحیٔ، حکیم، گل رعنا، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ۱۹۲۱ء
(۱۶) علی، رحمان، تذکرہ علمائے ہند، مترجم محمد ایوب قادری، کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، ۲۰۰۳ء
(۱۷) غالب، اسداللہ خاں، پنج آہنگ، مترجم محمد عمر مہاجر، کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۱۹۶۹ء
(۱۸) غالب، اسداللہ خاں، عودِ ہندی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۷ء
(۱۹) فائق، کلب علی خاں، مومن، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۱ء
(۲۰) کریم الدین و فیلن، طبقات الشعرائے ہند، دہلی: مطبع العلوم مدرسہ، ۱۸۴۷ء
(۲۱) مہر، غلام رسول، نقشِ آزاد، لاہور: کتاب منزل، ۱۹۵۸ء
(۲۲) نساخ، عبدالغفور، سخن شعرا، لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور، ۱۸۷۴ء
(۲۳) نظامی بدایونی، انقلابِ دہلی، بدایوں: نظامی پریس، ۱۹۳۱ء

رسائل

(۱) سروری، تحسین، غالب اور معاصرینِ غالب "ریاض الفردوس" میں مشمولہ اردو نامہ، کراچی، شمارہ: ۹، جولائی تا دسمبر، ۱۹۶۲ء